

و مایکون تمام اشیاء یا بالفاظ دیگر ابتدا آفرینش سے لے کر قیامت تک ہے، پھر کون بے وقوف کہہ سکتا ہے کہ تمام اشیاء کا علم بالفاظ دیگر کل علم علم الہی کا بعض نہیں ہے۔

مابہ النزاع:

اصل جھگڑا یہ ہے کہ اہل سنت اس بعض کو جس کا ثبوت قرآن سے ہے اتنا وسیع مانتے ہیں کہ کونین کی ساری وسعت اس میں سما جائے، اور اس کی ایک سرحد وہاں سے شروع ہوتی ہے

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل رحمانی نے اپنی نادانی سے مولانا عتیق الرحمن صاحب پر اعتراض کیا ہے، کہ کہیں حضور کو جمیع ماکان و مایکون کا علم مانتے ہیں اور کہیں بعض، گویا ان بے دال کے بودم کے نزدیک علم جمیع اشیاء اور علم بعض میں منافات ہے اور ان کو خبر نہیں کہ علم الہی غیر متناہی و علم ماکان و مایکون اور علم کل بعض ہی ہے علم الہی کا جو علم کلی ہے، کیوں کہ علم الہی غیر متناہی و علم ماکان و مایکون متناہی، اور متناہی غیر متناہی کا بعض ہی ہوتا ہے۔ دیکھو امام رازی تفسیر کبیر میں تحت آیت:

﴿وَ أَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾
کے فرماتے ہیں:

”قلنا: لا شک أن إحصاء العدد إنما يكون في المتناهي، فأما لفظة ﴿كل شيء﴾ فإنها لا تدل على كونه غير متناه؛ لأن الشيء عندنا هو الموجودات، والموجودات متناهية في العدد، إحصاء في العدد متناہی میں ہوتا ہے، اور لفظ ”کل“ شی متناہی ہے، کیوں کہ شی موجودات ہیں، اور موجودات متناہی ہیں، پھر یا تو علم الہی کو متناہی مانو، یا علم ”کل شی“ کا علم الہی کا بعض۔
بندہ پرور!

ہنوز طفلی و از نوش و نیش بے خبری
چہ علم خویش کہ از جہل خوش بے خبری
ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ علم کل یا علم بعض ایک ہی چیز ہے، جو حضور کی صفت ہے
اور علم کلی اور ہے، جو صفت خدا ہے۔ ۱۲۔

جہاں سے وجود کی ابتدا ہوتی ہے، اور دوسری سرحد وہاں ختم ہوتی ہے جس پر اس کائنات کی عمر ختم ہوتی ہے، برخلاف اس کے اہل نجد و ہابیت ان چند جزئیات کا علم مانتے ہیں، جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ہے، یا کچھ اس کے علاوہ بھی، باقی (معاذ اللہ) حضور کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں، دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، اپنی ازدواج کی پاک دامنی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں، آپ کے امتی جو کچھ کریں خواہ نیک خواہ بد اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ (وغیرہ ذلک من الخرافات) مزید برآں وہ چند باتیں بھی اب غیب نہیں رہ گئیں، کیوں کہ جو چیز بتادی جائے وہ غیب نہیں، اس لیے رسول اللہ کو سرے سے غیب کا علم ہی نہیں۔

مقام غور:

علمائے اہل سنت کا قول ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ حضور کو چند باتوں کا علم تھا، تطبیق تام نہیں ہو جاتی، اس لیے کہ جن آیات سے ثبوت علم ہے ان میں ﴿تَبَيَّنَا لَكُل شَيْءٍ﴾ اور ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ﴾ آیا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس بعض کو اتنی وسعت دی جائے کہ تمام اشیاء ان میں آجائیں، وہ گیا اس پر یہ سوال کہ لازم آئے گا کہ خدا اور نبی کا علم برابر ہو جائے، تو یہ فقدان بصیرت کی پیداوار ہے، کیوں کہ بے شمار فرق، خدا اور بندے میں موجود ہیں۔ بندے کا علم متناہی کہ ابتدائے آفرینش سے انتہائے دنیا تک ہے، اور خدا کا علم غیر متناہی، جس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں، خدا کا علم قدیم، بندے کا علم حادث۔ بندے کا علم عطائی، خدا کا علم ذاتی۔ بندے کا علم حصولی کہ پہلے نہ تھا غیر سے حاصل کیا اور حصول کے بعد بھی ذہول ممکن، خدا کا علم حضوری کہ طرفہ عین کے لیے بھی اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ پھر ان تمام امتیازات کے باوجود کون بے وقوف ہوگا جو خدا اور بندے کا علم یکساں اور برابر بتائے گا، اس لیے علم ماکان و مایکون ماننے پر بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

غیب تعلیم کے بعد بھی غیب ہی رہتا ہے:

ہاں یہ خیال کہ تعلیم کے بعد علم غیب شہادت ہو جاتا ہے، غیب نہیں رہتا، اندھے کی لالٹھی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیوں کہ اس کی تائید آیت یا حدیث یا لغت وغیرہ سے نہیں ہوتی، برخلاف اس کے قرآن بار بار انہی واقعات کو جن کی تعلیم کر چکا ہے: ﴿مَنْ أَنْبَأَ الْغَيْبَ﴾

نوحیہ الیک کہہ کر اعلان کرتا ہے کہ تعلیم کے بعد بھی وہ غیب ہی رہتا ہے۔

علم غیب اور معجزہ میں منافات نہیں:

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: النبی هو المطلع علی الغیب۔ نبی مطلع علی الغیب کو کہتے ہیں،

اور لغت میں نبی کے یہی معنی ہیں، ان امور کی روشنی میں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ بتا دینے کے بعد غیب نہیں رہ جاتا، اور اس سے بھی بڑی جہالت یہ ہے کہ حضور نے جن امور کی خبر دی وہ علم غیب نہیں بلکہ از قسم معجزہ ہے، گویا علم غیب اور معجزہ میں منافات ہے کہ کوئی معجزہ علم غیب نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی غیب معجزہ نہیں ہو سکتا، حالاں کہ ہر خرق عادت جس کا ظہور نبی سے ہولغۃ معجزہ ہے، اور غیب کی خبر دینا ضروری خرق عادت ہے۔ ہم فاضل رحمانی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کہیں سے بھی خرق عادت یا معجزہ اور علم غیب میں منافات ثابت کریں، اور اپنے مولوی ہونے کی لاج رکھ لیں ورنہ سوچ سمجھ کر بولنے اور لکھنے کی عادت ڈالیں۔

۱۔ علم غیب کی یہ بحث ناقص رہ جائے گی اگر فاضل رحمانی کی ان وحشت اثر وار فنگیوں کا حال مذکور نہ ہوگا جو انتہائی پاگل پن میں ان سے سرزد ہو گئی ہیں۔ تردید حاضر و ناظر صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں، نبی صاحب نبوت کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں غیب کی خبر دینا، اس کے بعد حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں، پس نبی کے معنی ہوئے غیب کی خبر دینے والا۔ اب تعریف ملاحظہ ہو:

تفسیر کبیر میں ہے:

”قول جمهور المفسرين: إن الغیب هو الذي يكون غائباً عن الحاسة.“

اور بیضاوی میں ہے:

”الخفي الذي لا يقتضيه بداهة العقل.“

فاضل رحمانی کی اتنی عبارت جو دیکھے گا اس سے یہی مطلب نکالے گا کہ نبی غیب کی خبر دینے والا اور غیب کا عالم ہے، نیز یہ بھی کہ غیب اسی کو کہتے ہیں جو حاسہ سے غائب ہو اور جس کو بداہت عقل نہ جان پائے۔

آیات کی بحث

مذکورہ بالا اصول کو مد نظر رکھ کر مولانا عتیق الرحمن صاحب نے بھی ان آیتوں میں جہاں

یہاں تک بات صحیح کی لیکن اس کے فوراً ہی بعد بے ایمانی کی رگ جو پھڑکی تو اپنی طرف سے ایسا اضافہ کیا جو ان کی نقل کردہ تصریحات کے خلاف ہے، فرماتے ہیں: ”جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں“ اس عبارت میں اور اس سے پہلی عبارت اور حوالوں میں صاف تعارض موجود ہے کہ پہلی عبارت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی غیب کی خبر دیتا ہے، اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کو جو چیز بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہے، پھر نبی غیب کی خبر کیسے دے گا، نیز اوپر کے حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیب ہر وہ چیز ہے جو عالم سے غائب ہو۔ اور بد اہت عقل جس کو نہ معلوم کر سکے، اور اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز اگرچہ عقل سے نہ معلوم ہو اور اگرچہ غائب عن الحاسۃ ہو یا بالفاظ دیگر بھلے ہی غیب کی تعریف اس پر صادق آتی ہو، لیکن جہاں خدا نے بذریعہ وحی اس کی تعلیم دی وہ غیب نہیں رہی۔ اب اس کا فیصلہ ہم علامہ رحمانی ہی پر چھوڑتے ہیں کہ امام رازی اور بیضاوی کی تعریف صحیح ہے یا آپ کی؟ آپ نے اپنی متاخر الذکر عبارت کے ثبوت میں قرآن کی آیت سے بھی کھیلنے کی جرأت کی ہے، اور عالم بے خبری میں اس تعارض کو اور سنگین بنا دیا، فرماتے ہیں: ﴿عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ أحد الا من ارتضیٰ من رسول﴾

خدا معلوم اس آیت سے اس امر پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں۔ بلکہ اس سے تو یہی واضح ہے کہ خدا اپنے ہی غیب پر انبیا کو مطلع کرتا ہے۔ تفسیر بیضاوی سورۃ الجن میں ہے:

﴿فلا ینظر علی غیبہ﴾ علی الغیب المخصوص بہ علمہ ﴿الا من ارتضیٰ﴾ بعلم بعضہ حتیٰ یکون لہ معجزۃ۔ خدا اپنے مخصوص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مخصوص رسولوں کے سوا کہ بطور معجزہ ان کو بعض کی اطلاع دیتا ہے، اور اگر بالفرض فاضل رحمانی کا یہ استدلال مان بھی لیا جائے تو ان دو باتوں میں سے ایک کو صحیح ماننا ہوگا، اور دوسری کو غلط، یا تو یہ کہیں کہ نبی غیب کی خبر نہیں دیتا۔ یا یہ کہیں کہ جو بتانے سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی غیب ہے، اور یہ

بظاہر علم غیب کی نفی نکلتی ہے، مذکورہ بالا تطبیق اور بعض دیگر تاویلات جو علمائے تفسیر نے بیان کی تھیں، ”خیر الانبیاء“ میں تحریر فرمایا، مثلاً وہ فرماتے ہیں: کہ ان تمام آیتوں میں جہاں علم کی غیر خدا

دونوں ان کے لیے زہر ہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را

”پھر اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے جمہور کی تعریف نقل کر کے اس کے برخلاف ایک اور تفسیر آپ نے نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

”الغیب مالم یقم علیہ دلیل، ولا أطلع علیہ مخلوق۔“

غیب وہ جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو، اور جس کو کوئی مخلوق نہ جانتا ہو، ان دونوں تعریفوں میں جو تعارض ہے وہ بھی فاضل رحمانی کی جان کو زور رہا ہے، عجیب مذاق ہے۔

تعارض کے پیچھے تناقض کا شور

تناقض کی دم میں تعارض کی ڈور

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں: مالا دلیل علیہ اور مادلیل علیہ، چنانچہ فاضل رحمانی نے تفسیر کبیر سے غیب کی جو تعریف نقل کی ہے اس کے آگے ہی یہ لکھا تھا: ”ثم هذا الغیب ینقسم إلی ما علیہ دلیل والی مالا دلیل علیہ۔“ یعنی غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو بتائی جائیں اور ایک وہ جو خدا کسی کو نہیں بتاتا، لیکن چوں کہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جو غیب بتانے سے معلوم ہو وہ بھی غیب ہی ہے اس لیے ”خیر الانبیاء“ میں پوری عبارت ہونے کے باوجود اس کو ایسا ہضم کر گئے کہ ہفتوں کے بھوکے ہوں۔ لیکن یہ نکلتی ہوئی ہڈی آنت میں پھنس گئی، اور باہم دو تعریفوں میں تعارض ہو گیا۔ حالاں کہ اگر تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ دوسری عبارت اس غیب کی ہے جس پر کوئی تعریف دلیل نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس غیب کی نہیں جس پر دلیل ہو جو انبیاء و اولیا کا حصہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیب کی ایک قسم وہ بھی ہے جو بتلانے ہی سے معلوم ہوتی ہے، اور یہ ہوائی قطعاً جھوٹ ہے ”جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں“ وہابیہ خذلہم اللہ جب تمام حربوں سے عاجز آ جاتے ہیں تو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں، جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں۔“

حاشیہ ختم

سے نفی ہے ”ذاتی علم“ مراد ہے، اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں حضور نے تواضعاً اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے، اور کچھ مقامات سے عدم علم کا ثبوت ہوتا ہی نہیں، بلکہ ”عدم دعویٰ“ اور ”عدم قول“ اور نہ تو عدم دعویٰ مفید عدم علم ہے، نہ عدم قول اور ساتھ ہی ان کتابوں کے حوالے بھی دے دیے تھے جہاں سے ان کو نقل کیا تھا، اگر ان تاویلات میں کوئی سقم تھا تو ان مفسرین کی بھی کوتاہی تھی لیکن فاضل رحمانی نے اپنی جہالت کے زعم میں لایعنی اعتراض سے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، ہم ذیل میں فاضل مذکور کے اعتراضات اور ان کے جوابات نیز جہاں سے یہ تاویلات نقل کی گئی تھیں، ان کے حوالے لکھتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہمارے مخالف نے اپنی جہالت سے تفسیروں کا بھی مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔

ذاتی اور عطائی:

فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق پر یہ اعتراض ہے کہ یہ تفریق بے معنی ہے، کیوں کہ آیت: ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ لَاسْتَكْمَرْتَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ [س. ۷۷ ت. ۱۸۸] کے معنی اس تقدیر پر یہ ہوں گے اگر میں علم غیب ذاتی جانتا تو بھلائی جمع کرتا، اور مجھ کو برائی نہ پہونچتی، حالاں کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کے لیے مطلقاً علم کی ضرورت ہے، علم ذاتی اور عطائی کو اس میں کچھ دخل نہیں، کیوں کہ جس طرح ایک شخص بوعلی سینا کی کتاب کا ذاتی علم رکھ کر مرض کو دفع کر سکتا ہے اسی طرح عطائی رکھنے والا بھی، اس سے معلوم ہوا کہ ذاتی اور عطائی کی تفریق بے کار ہے۔

اس گل دیگر شگفت:

یہ بحث فاضل رحمانی کی بے نور آنکھوں کو کچھ ایسی بھائی کہ اپنی کتاب میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے، اور ایک جگہ تو نشہ میں آکر فرماتے ہیں: کہ اسی طرح تم پوجا بھی کرو اور کہہ دو کہ حضور الہ اور معبود بالعطاء اور ان کی خدائی عطائی ہے۔

اب تک تو یہ سنا تھا کہ وہابیوں کا خدا جھوٹ ہی بول سکتا ہے لیکن آج سے معلوم ہوا کہ ان کا خدا اپنی خدائی بھی دوسروں کو دے سکتا ہے، سبحان اللہ یہ علم اور تحقیق مسائل کا حوصلہ، آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ معبود بالعطاء ممکن ہوگا، اور جو ممکن ہے وہ معبود نہیں، یا بالفاظ دیگر خدا کا اپنی

خدائی دوسروں کو دینا محال ہے، وہ اپنی خدائی کسی کو دے ہی نہیں سکتا، اس لیے بالذات اور بالعطاء کی بحث وہاں پیدا ہی نہیں ہو سکتی بندہ پروردگار کچھ دن اور پڑھیے۔

بہر حال فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق سے انکار ہے۔ برخلاف اس کے علامہ ”خفاجی“ شرح شفاء میں، علامہ ”مناوی“ شرح جامع صغیر میں۔ ”شیخ ابن قاضی“ جامع الفصول میں ”علامہ بیضاوی“ اپنی تفسیر میں ”شیخ محمد شنوائی“ حاشیہ مختصر ابن جریر میں، امام رازی“ اپنی تفسیر میں اور علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں تصریح کرتے ہیں کہ:

”فیہ دلالة علی أن الغیب بالاستقلال لا یعلمہ إلا اللہ۔“

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیب کا علم ذاتی سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

لیکن فاضل رحمانی کو ان تفسیروں اور اقوال کی کیا پرواہ، ان کو تو اپنی ابن سینا والی اچھوتی دلیل اور مثال پر ناز ہے، اس لیے ہم اس کی بھی خبر لیتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کے دماغ میں گودا ہی نہیں یا دانستہ عقل وہاں کوچ کر جاتی ہے جہاں ان کی طرف پانی مرتا ہے، کیوں کہ خود انہیں کے قول کے مطابق ابن سینا کی کتاب سے فائدہ حاصل کرنا اور مرض سے بچنا، اگر ان کے علم ذاتی پر موقوف نہیں تو کسب خیر اور عدم مسمیس ضرر کا علم غیب ذاتی پر موقوف نہ ہونا کہاں سے نکل آیا، کیوں کہ خود انہیں کا قول ہے: الجزئی لا یکون کاسباً ولا مکتسباً۔ نیز یہ شاہ کار جہالت بھی قابل ملاحظہ ہے، کہ مرض کے علم اور ابن سینا کی کتاب کے پیدائشی علم کو علم ذاتی بنا ڈالا، حالاں کہ کسی مخلوق کو کسی بھی چیز کا علم ذاتی نہیں ہو سکتا، اور ان کی اس تقریر پر تو تمام الہامات علم ذاتی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب دہمیں ملا
کارِ طفلان خراب خواہ شد

آیت میں علم ذاتی ہی مراد ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اگر ذرا بھی دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ کسب خیر اور عدم مسمیس ضرر کا لزوم علم ذاتی کے ساتھ ہی ہے علم عطائی کے ساتھ ہرگز نہیں، کیوں کہ علم عطائی تو ایسا ہے کہ کہیں اس کے مقتضایہ عمل ہوتا ہے، اور کہیں نہیں، لیکن علم ذاتی ہی وہی ہے جس کے مقتضی ہی پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے، بندوں کے تمام علوم عطائی ہیں، ایک شخص کے راستہ

میں سانپ تھا، اس کو علم نہ تھا، کسی نے بتایا وہ یہاں بچ گیا، یہاں علم عطائی کے مقتضی پر عمل ہوا۔ دوسرے شخص کو جلاد باندھ کر بادشاہ کے حکم سے قتل گاہ کی طرف لے چلا۔ باوجودے کہ اس کو اپنے قتل ہونے کا علم وقوع سے پہلے ہے اور بسا اوقات مہینوں پہلے بھی اس کا علم حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ اس علم کی بنا پر قتل ہونے سے نہیں بچ سکتا، یہاں علم عطائی کے مقتضی پر عمل نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے ذاتی علم ہرشی کا صرف خدا کو ہے، اس لیے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی امر میں (معاذ اللہ) خدا کو ضرر پہونچا، یا اس کا کوئی کام خیر سے خالی ہوا۔ بنا بریں یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر علم ذاتی ہی کو لازم ہے، اس لیے آیت میں علم ذاتی کی ہی نفی ہے۔ ورنہ ”لو“ کی شرط و جزاء میں لزوم باقی نہ رہے گا جو ضروری ہے۔

اعجاز و بلاغت اور ذاتی و عطائی:

فاضل رحمانی کی یہ جہالت بھی خوب رہی کہ آیت میں علم ذاتی مراد لینے سے قرآن کے اعجاز و بلاغت میں فرق پڑ جائے گا، کیوں کہ خازن میں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے آپ سے کہا:

”الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص من قبل أن یغلوو بالأرض التي ترید أن تجذب فترحل الی ما قد اخضب.“

یعنی آپ کا پروردگار کیوں آپ کو چیزوں کا بھاد بڑھنے سے پہلے اور خشکی آنے سے پہلے اطلاع نہیں دیتا کہ آپ وہاں سے کوچ کر جائیں۔

اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ میں غیب ذاتی نہیں جانتا نہایت مہمل ہے؛ کیوں کہ کفار کا سوال علم ذاتی کے بارے میں تھا ہی نہیں وہ تو مطلقاً علم سے سوال کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم فاضل جھنڈے نگری سے پوچھ پوچھ کر نازل ہوتا تھا، کہ دیکھیے آپ کے خود ساختہ معیار بلاغت پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ اولاً فاضل رحمانی کی اس تقریر کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس آیت کا شان نزول کافروں کا مذکورہ بالا سوال ہے، حالاں کہ فاضل رحمانی نے مذکورہ شان نزول کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کر دیں ہماری توجیہ پر اعجاز و بلاغت کی حیثیت سے اعتراض بالکل بے معنی اور انتہائی جہالت ہوگا۔

چاہ کن راجاہ در پیش:

اور اگر ہم اس شان نزول کو جوں کا توں تسلیم بھی کر لیں تو فاضل رحمانی کی الٹی آنتیں گلے میں آجائیں گی، اور جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ کیوں کہ سوال کے الفاظ یہ ہیں: ”الا یخبرک ربک“ اے رسول آپ کو آپ کا رب کیوں نہیں بتاتا۔ جواب یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا۔ ظاہر ہے کہ اس سوال و جواب میں کوئی مطابقت نہیں، اس طرح جو دلدل آپ نے ہمارے لیے تیار کی تھی خود ہی اس میں کر تک پھنس گئے۔

ثبوت بلاغت:

اور اگر آپ کو بلاغت ہی کا شوق ہے تو سنئے: کفار نے حضور کی غیب ذاتی پر طنز کیا کہ اگر آپ غیب جانتے ہیں تو اتنی بات خدا سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ کب بھاؤ سستا ہوگا اور کب مہنگا، کہاں فراخ سالی ہوگی اور کہاں قحط پڑے گا، تاکہ تم اوروں کی طرح ان حادثات کے وقت مصیبت میں نہ رہو، تمہارے غیب جاننے کا کیا فائدہ، تم جو عالم ہو اور ہم جاہل ہیں، دونوں نفع و نقصان میں بسا اوقات برابر ہوتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیب جانتے ہی نہیں، خواہ مخواہ آسمانی خبروں کا دعویٰ کرتے ہیں، کفار کا حضور کے علم پر یہ اعتراض اسی قسم کا ہے جیسا آج کل کے وہابی کرتے ہیں، کہ اگر حضور عالم غیب تھے تو وہ فلاں مصیبت سے کیوں نہیں بچے، اس پر حضور نے قرآن کے الفاظ میں جواب دیا کہ یہ ملازمہ تو صرف علم ذاتی کا حاصل ہے کہ کبھی کسب خیر اور عدم مسیس ضرر سے جدا نہیں ہوتا، اور میں علم ذاتی کا مدعی نہیں، میں تو علم عطائی کا دعویٰ کرتا ہوں، جو قضا و قدر کے تابع ہے، اس لیے تمہارا میرے علم پر اعتراض بے جا ہے، ہاں اگر یہ خبریں ذاتی طور پر جانتا تو البتہ بھلائی جمع کر لیتا، اور ہر ضرر سے بچتا۔

ایک اور سوال کا جواب:

یوں ہی قیامت کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ قتادہ کے قول کی بنا پر قریش اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قیامت کا وقت پوچھنا چاہتے تھے، حضور نے جواب دیا کہ اس کا علم ذاتی تو خدا ہی کے پاس ہے، جو اس میں تصرف کر سکتا ہے کہ بتلا دے، ہم زیادہ سے زیادہ اس کے امین اور تابع فرمان ہیں، اور جب حضور نے علم ذاتی کو خدا کی طرف منسوب فرمایا تو گویا

آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ جانتے ہوئے بھی تم کو قیامت کی خبر نہیں دے سکتا، کیوں کہ صاحب علم عطائی بغیر عطا کنندہ کے حکم کے اوروں کو نہیں بتایا کرتا۔ پس یہیں سے یہ سوال بھی ختم ہو گیا کہ جب کفار کے جواب میں حضور نے یہ کہا کہ مجھ کو ذاتی علم نہیں تو کفار پلٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم کو ذاتی عطائی سے بحث نہیں ہم کو تو قیامت کا علم چاہیے، کیوں کہ علم ذاتی کا انکار وہی تعلیم سے معذوری ظاہر کرنا ہے۔

دوسرا جواب:

اور بالفرض مان لیں کہ جواب سوال میں مطابقت نہیں لیکن اس سے کلام الہی کی بلاغت میں فرق نہ سمجھے گا، مگر وہ جس کے آنکھ پر وہابیت کا دبیز پردہ پڑ گیا ہو، کیوں کہ علم بلاغت کی پہلی درسی کتاب ”تلخیص المفتاح“ اور اس کی شرح ”مختصر المعانی“ میں ہے:

”تلقي السائل بغیر ما يتطلب بتنزيل سواله منزلة غیره، (أي: غیر ذلك السؤال) تنبيهًا (للسائل) على أنه أي: (ذلك الغير) الأولى بحالہ أو المهم له كقوله تعالى: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ﴾ الخ. (تلخیص: ۲۰)

اور سائل کو اس کے سوال کے خلاف جواب دینا اس کے سوال کو دوسری چیز کے قائم مقام کرتے ہوئے، سائل کو تنبیہ کرنے کے لیے، کہ وہ غیر ہی اس کے لائق ہے، یا اہم، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چاند کی حقیقت پوچھنے والوں کے جواب میں اس کے فوائد گنائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کبھی سوال کے خلاف جواب دے دیا جاتا ہے جو سائل کے مناسب اور اہم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ قرآن نے علم ذاتی کی نفی ہی یہاں اہم اور سائل کے مناسبت حال سے قرار دی ہو، کیوں کہ کفار، کاہنوں وغیرہ کے لیے علم ذاتی ہی کے قائل تھے، بہر حال علم ذاتی کی نفی ماننے پر بھی بلاغت قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تواضع کا مطلب:

مولانا عتیق الرحمن صاحب کی اس تاویل کا جواب دیتے ہوئے کہ بعض آیتوں میں تواضع علم کی نفی کی گئی ہے، فاضل رحمانی کہتے ہیں:

(۱) آیت: ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾

[الأنعام: س ۶- ت ۵۰]

کے تحت علامہ خازن نے یہ لکھا ہے: ان چیزوں کی نفی حضور نے اپنی ذات سے تواضعاً کی ہے، جیسا کہ ”خیر الانبیاء“ میں تحریر ہے، اگر حضور سے علم کی نفی تواضعاً کا مطلب یہ ہو کہ عالم تو تھے مگر ازراہ تواضع اپنی ذات سے علم کو دور فرمایا، تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتہ ہونے کی نفی بھی حضور نے تواضعاً ہی کر دی ہو، اور حقیقت میں آپ فرشتہ ہوں، حالاں کہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

(۲) نیز یہ جواب کفار کے چیلنج کے مقابلہ میں ہے، پس یہ بات قطعاً سمجھ میں آنے والی نہیں ہم تو بار بار آپ کی غیرت اور علم کو چیلنج کریں اور آپ انکساری اور تواضع سے ہماری بات کا جواب نہ دیں، بلکہ اپنے عجز کا اعتراف کریں، یہی موقع تواضع اسلام کی شوکت ظاہر کرنے کا تھا۔ یہ بحث بڑی طویل ہے کہ اگر کسی آیت کی مختلف ٹکڑوں کی اگر کوئی عام تاویل کی جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر ٹکڑے میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی ضروری ہے یا نہیں، اور علامہ خازن نے آیت: ﴿لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ میں اگر غیب وغیرہ کی نفی تواضعاً کی، دیگر ٹکڑوں میں بھی یہی لینا پڑے گا یا نہیں؟ اس لیے طویل راستے سے قطع نظر کر کے علامہ خازن کی عبارت سے یہ بصراحت ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے علم غیب کی تواضعاً نفی کے بھی یہی معنی لیے ہیں کہ حضور ﷺ کو علم غیب تھا، لیکن تواضعاً نفی کی۔

آیت: ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ کے ماتحت بیان فرماتے ہیں:

”فان قلت: قد أخبر ﷺ عن المغیبات وقد جاءت أحادیث فی الصحيح بذلك وهو من أعظم معجزاته ﷺ، فكيف الجمع بينه وبين قوله: ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سَتَكْثُرُ مِنَ الْخَيْرِ﴾، قلت: يحتمل أن يكون قاله - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - علی سبیل التواضع والأدب“

(تفسیر خازن: آیت ۱۸۸-۲/۲۸۰)

اگر تم اعتراض کرو کہ حضور نے غیب کی خبر دی، پھر اس آیت اور ان احادیث میں جن میں اخبار بالغیب ہے تطبیق کیسے ممکن ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کو حضور نے ادباً اور تواضعاً کہا ہو۔

یہاں اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ حضور غیب جانتے ہیں پھر کیوں قرآن نے آپ سے غیب کی نفی کی، اور یہ اعتراض اس بات کو مان کر کیا گیا ہے کہ حضور کو علم غیب تھا، اور

علامہ نے اس اصل کو تسلیم کر کے ہی جواب دیا ہے، اس لیے تو اضعافِ نفی علم کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ علم غیب جانتے ہوئے ہی نفی کی ہے، اب فاضل رحمانی کو اختیار ہے کہ اس تصریح کے بعد بھی انکار ہی کرتے چلے جائیں، یا کچھ بھی شرم و حیا کا لحاظ کریں، اور اعتراف کریں کہ تو اضعافِ علم کی نفی کا مطلب علامہ خازن کے نزدیک انکار بر بنائے علم ہی ہے۔

نامعقول اِتِّج:

یوں ہی چیخ کے موقع پر تو اضعافِ علم سے انکار کو بھی نازیبا کہہ کر انکار کرنا فاضل رحمانی کی نامعقول اِتِّج ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب چیخ کیا جائے، اس وقت بہر نوع جواب دینا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود جواب نہ دیا تو نازیبا ہے، لیکن اس اندھے کو یہ نہ معلوم ہوا کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کیوں کہ خود اسی فاضل کے قول کے مطابق کفار نے حضور سے یہ سوال کیا: ﴿أَلَا يَخْبِرُكَ رَبُّكَ﴾ یہ سوال حضور کے واسطے سے خدا سے ہی تھا کہ تمہارا رب تم کو آئندہ باتوں کی اطلاع کیوں نہیں دیتا، کم از کم خدا کے بارے میں یہ تو سبھی مانتے ہیں کہ خدا حضور کو آئندہ کی خبروں کے بتانے پر قادر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کفار کے اس چیخ کے جواب میں خدا بھی وہی نازیبا (معاذ اللہ) بات کرتا ہے کہ چیخ کے موقع پر قدرت کے باوجود حضور کا آئندہ کی خبروں کا علم نہیں دیتا، بلکہ اور اس کا اعتراف کر داتا ہے کہ ہم کو علم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جاہلانہ اور دماغی عیاشیاں ہیں، اور ہر معقول بات کے جواب میں فاضل رحمانی کی طرح نامعقول باتیں کہی جاتی ہیں، نامعقولیت کا دروازہ تو کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا۔

عدم دعویٰ اور عدم قول:

مولانا غنیق الرحمن صاحب کی اس تاویل (کہ آیت: ﴿لَا أَقُولُ لَكُمْ﴾ میں قول اور دعوے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ علم کی) پر فاضل رحمانی کی خامہ فرسائی کا خلاصہ یہ ہے کہ ”حضور کہتے ہیں: نہ تو میں کسی غیب ذاتی کا قول کرتا ہوں، نہ خزائن اللہ کے مالک ہونے کا“، پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ایسا قول نہ کریں۔

یہاں قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ عدم دعویٰ، عدم علم اور وجود علم دونوں ہی شکلوں میں ہو سکتا ہے، لیکن اگر صرف یہی آیت ہوتی تو عدم دعویٰ بر بنائے عدم علم مان کر ہم فاضل رحمانی کی

یہ بزرگانہ نصیحت تسلیم کر لیتے کہ ہم بھی آپ کے لیے علم غیب کا دعویٰ نہ کریں اور جب اس کے مقابل: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَيْحٍ﴾، ﴿نَزَّلْنَا عَلَيْكَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ بھی موجود ہے، اور جب قرآن بار بار آپ کو صاحب علم غیب کہتا ہے تو پھر اس کے علاوہ اور چارہ کار کیا رہ جاتا ہے کہ عدم دعویٰ بر بنائے اعسار ہے، مگر فاضل رحمانی تو اس قدر عقل سے اندھے ہیں اور ان کا یہ اندھا پن اتنا کارآمد ہے کہ جہاں ان پر زد پڑی، آنکھیں چو پٹ ہو گئیں، اور جہاں کوئی مفید بات نظر آئی تو آسمان تک نظر آنے لگا، ورنہ یہ بابت بڑی واضح ہے کہ علم غیب کا ثبوت جن آیتوں سے ہوتا ہے یہ آیات بظاہر اس کے خلاف ہیں، اور اس ظاہری تعارض کو دفع کرنے کے لیے علما نے مختلف تاویلیں کی ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے، اس آیت میں عدم دعویٰ اور دوسرے میں ثبوت۔ اور عدم دعویٰ ثبوت کے منافی نہیں ہے، یہ کوئی الگ مستقل دلیل نہیں کہ اس میں احتمال پیدا کر دینے سے ہمارا استدلال ہی ختم ہو جائے، استدلال تو آیات مثبتہ سے ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا:

فاضل رحمانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ”آیت ﴿لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ دعویٰ علم غیب کے معارضہ کے طور پر پیش کی گئی تھی“، تردید صفحہ ۶۱ اور ۶۲ میں اقرار کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ”حضور سے جس علم کی نفی ہے، وہ رفع ایجاب کلی یعنی ایسا علم ہے کہ اس سے غیب کا کوئی فرد خارج نہ ہو“۔ اور جن آیتوں میں ثبوت علم ہے وہاں بعض مراد ہے، اور کل کی نفی بعض کے ایجاب کے منافی نہیں، اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں!

فاضل رحمانی کے مذکورہ بالا دونوں اعتراضوں سے دو باتیں واضح ہوئیں۔

(۱) علمائے اہل سنت کے دعویٰ علم غیب کے مقابلہ میں آیت: ﴿لَا أَعْلَمُ

الغیب﴾ پیش کی گئی ہے۔

(۲) اور اس آیت میں بعض علم کی نہیں بلکہ کل علم کی نفی ہے، اگر بعض علم کا ثبوت کہا

جائے تو آیت سے استدلال عدم علم پر غلط ہوگا۔ اور گزشتہ صفحات میں ہم یہ واضح کر آئے ہیں کہ علمائے اہل سنت بعض علم غیب کے ثبوت ہی کے قائل ہیں، ہاں وہ بعض اتنا وسیع ہے کہ ابتداءے آفرینش سے اختتام دنیا تک اس میں آجائے، لیکن ہے تو بعض ہی، پھر فاضل رحمانی یہ اقرار کرتے ہوئے بھی (کہ آیت سے بعض علم کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا) کیوں استدلال کرتے

ہیں۔

﴿عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ [الأنعام: س ۶-ت ۵۹]

فاضل رحمانی نے اس آیت کو کبھی بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں، اور صحیح بخاری سے اس کی تفسیر بھی نقل کرتے ہیں:

”مفاتح الغیب پانچ چیزیں ہیں، جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، (۱) کل کا علم، (۲) جو رحم میں ہو اس کا علم، (۳) بارش کا علم، (۴) موت کا علم، (۵) قیامت کا علم، یہ تفسیر رائج ہے، یہ حضور سے مروی ہے۔ خازن نے سب سے پہلے لکھا ہے۔ (ملخصاً)

وہ جو کسی نے کہا ہے ”دیوانہ بکار خویش ہوشیار“ اس کے پورے مصداق رحمانی میاں ہی ہیں، دیکھیے مطلب کی بات کے لیے تو آیت کی تفسیر بخاری سے تلاش کی اور جہاں اپنے خلاف دیکھا، اندھے بن گئے اور اس حدیث کی شروح سے آنکھ بچالی، ورنہ وہ دیکھتے کہ اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

مراد آنت کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل چچ کس ایشاں راندہ داند۔ مطلب یہ ہے کہ بے تعلیم الہی عقل کے حساب سے کوئی اس کو نہیں جانتا۔ [اشعة الملعات ص: ۲۲]

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان چیزوں کی نفی علم ذاتی کے طور پر ہے، نیز علامہ ملا علی قاری مرقات میں، امام قرطبی صحیح مسلم میں، علامہ عینی، اور امام احمد قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

”لا مَطْمَعٌ لِأَحَدٍ فِي عِلْمِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِهَذَا الْحَدِيثِ، فَمَنْ ادَّعَى شَيْئاً مِنْهَا غَيْرَ مُسْتَنَدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَدَعُوا كَاذِبًا.“

کسی ایک کو بھی ان چیزوں کے علم کی طمع نہ ہو، جس کسی نے ان میں سے کسی کے علم کا دعویٰ بغیر حضور کی طرف نسبت کیے کیا، اس کا دعویٰ باطل ہے۔

کیا بتایا جاے۔

پڑھا علم دیں دین داری نہ آئی بخار آیا ان کو بخاری نہ آئی دیکھیے یہاں یہ جلیل القدر علماء رسول کے علاوہ دیگر آدمیوں کو بھی ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس علم کی نسبت حضور کی طرف کر لو، کہ

آں حضرت ﷺ سے معلوم ہوا۔ دیکھیے آپ کی مستند تفسیروں سے ان پانچوں کا علم رسول خدا کے لیے ثابت ہو گیا، آپ تو فوراً تعجب سے پاگل ہو رہے ہوں گے۔ مگر کیا کیجیے گا، صبر کیجیے۔ ع
دکھلائے جو فلک سو وہ ناچار دیکھنا

لا تدري ما أحد ثوا ما بعدك:

فاضل جھنڈے نگری کا خیال ہے کہ:

مولانا عتیق الرحمن صاحب نے اس فاضل کی جہالت پر روشنی ڈالی تھی کہ: ”حضور خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ کل قیامت میں ایسا ہی ہوگا، فرشتے یوں کہیں گے، میں یوں کہوں گا، پھر لاعلمی کہاں سے نکلی، وہاں گڑھ سے؟“ اس پر بڑا چمک کر فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ وہ جناب! ہمارا استدلال لا تدري سے تھا، گویا حضور ان واقعات کے لاکھ عالم سہی، لیکن ہم تو انکار کیے جائیں گے، کہ لا تدري کا لفظ دیکھ لیا ہے، یہاں ہم کو پھر اس کام یا ب کم نگاہی کی داد دینی پڑتی ہے کہ مطلب کی بات یا سو جھگٹی، کہ لا تدري، مگر ہم تو مولانا کے چودہ طبق روشن کر کے چھوڑیں گے۔ یہاں مندرجہ ذیل امور قابل تنقیح ہیں:

حضور کو علم تھا:

(۱) حضور کو علم تھا، یا نہیں۔

(۲) اگر تھا تو لا تدري کیوں کہا گیا؟

مسند بزار عن عبد اللہ بن مسعود، مسند حارث، امام ترمذی، ابو نعیم، امام عبد اللہ بن مبارک نے حدیث تخریج کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور پر اعمال امت پیش ہوتے ہیں:

اعمال کی تفصیل:

صحیح مسلم، امام احمد، سنن ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، طبرانی نے حدیث تخریج کی جس کا مضمون یہ ہے کہ میری امت کے اعمال اچھے برے سبھی پیش آتے ہیں، یہاں تک کہ تفصیل ہوتی ہے کہ مسجد سے کوڑا صاف کرنا بھی پیش ہوتا ہے۔

مرتد ہونے کا حال بھی دکھایا گیا:

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے:

((بينما أنا قائم فاذا زمرة حتى إذا عرفتهم، خرج رجل من بيني وبينهم فقال: هلم! قلت: اين؟ قال: إلى النار والله، قلت: وما شأنهم؟ قال: إنهم ارتدوا بعدك على أديبارهم القهقري))

(الجامع للبخاری: کتاب الحوض. ۲/ ۹۷۵)

اس بیچ میں کہ میں سویا تھا، دیکھا ایک جماعت جن کو میں پہچانتا تھا، میرے اور اس جماعت کے درمیان میں ایک آدمی حائل ہو گیا، اور کہا کہ چلو، میں نے کہا ان کو کہاں لے جا رہے ہو؟ کہا: دوزخ میں، میں نے پوچھا کیوں؟ کہا: آپ کے بعد پیچھے پھر گئے مرتد ہو گئے تھے۔

عمدة القاری وفتح الباری وغیرہ میں اس کا مطلب لکھا ہے:

(إنه رأى في المنام ما سيقع لهم في الآخرة.)

خواب میں وہ بات دکھائی گئی، جو قیامت میں ہونے والی تھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو کر کل قیامت میں جو لوگ جہنم میں جائیں گے، وہ سب آپ کو دکھا دیے گئے ہیں، پھر لا تدري کا کیا مطلب؟

لا تدري کا مطلب:

یہی حدیث صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مروی ہے: اما شعرت. کیا آپ کو پتہ نہیں؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا، نیز بروایت ابو ہریرہ: (هل تدري ما أحدثوا ما بعدك) جس کا ترجمہ ہوا آپ تو جانتے ہی ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، جس طرح: (هل أتى على الإنسان حين من الدهر)، میں صحیح بخاری میں یہ حدیث بروایت اسماء "هل شعرت" ہے اور کچھ روایتوں میں لا تدري بھی ہے، فاضل رحمانی کی کج نگاہوں نے صرف لا تدري دیکھا، ورنہ روایت کے دیگر طریقوں کو دیکھتے ہوئے اصول تطبیق پر یہاں بھی ہمزہ استفہام انکاری محذوف ماننا پڑے گا جیسا آیت: ﴿هَذَا رُبِّي﴾ میں ہے، اور اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے، کہ کیا آپ کو پتہ نہیں یعنی ہے، ورنہ یہ تو آپ کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ بعض حدیثوں سے ثبوت علم ہے اور بعض سے نفی، اس لیے نفی والی حدیث ذہول پر مبنی ہے، تا کہ دونوں میں تطبیق ہو جائے، مگر آپ کو تو اپنے لا تدري کے غمزہ شاہدانہ سے ہی فرصت نہیں ملتی، اور آپ کو

کون بتائے کہنے

زغزغہ بر صف مرداں شیر افکن زن

ترا کہ گفت کہ اے نازنین زپردہ برآ

واقعات کی بحث

واقعات کی ایک طویل فہرست ہے، کہ حضور کو علم تھا تو فلاں واقعہ میں کیوں کر ایسا ہونے سے بچا نہ لیا، ایسا کیوں نہ کیا، اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس پر مولانا عتیق الرحمن صاحب نے ایک بڑی دلچسپ گرفت کی تھی، کہ اگر اسی طرح حضور جان نور ﷺ کے عدم علم پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو پھر خدائے ذوالجلال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، کیا معاذ اللہ وہ بھی عالم نہ تھا، آخر اس نے اپنے نبی کی چہیتی بیوی کو ”تہمت افک“ سے کیوں نہ بچا لیا، اور نبی ﷺ کو مہینوں ضیق میں رکھا جب کہ بارہا ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر قرآن فوراً ہی نازل کر دیا کرتا تھا، اس واقعہ میں تاخیر وحی کیوں ہوئی، یا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت سے کیوں نہ بچا لیا، جب کہ ایک مسلمان سردار کا ایسے وقت میں زندہ رہنا بہر حال مفید تھا، معلوم ہوا کہ علم کے مقتضی پر بظاہر عمل نہ کرنا عدم علم کی دلیل نہیں۔

اس معارضے پر آپ سے کچھ بن نہ آئی تو مولانا عتیق الرحمن صاحب کو برا بھلا کہہ کر یہ جواب دیا کہ خدا کی مشیت اور مصلحت ہی ایسی تھی، اور خدا سے اس کی مشیت کے بارے میں سوال نہیں ہو سکتا! کہ ایسا کیوں ہوا، جب کہ دوسروں سے سوال ہو سکتا ہے۔ آیت:

﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ [الأنبياء: ۲۱-۲۳]

اللہ اللہ ”یہ منہ اور مسور کی دال“ قرآن شریف سمجھنے چلے ہیں، مولانا اردو ترجمہ دیکھ لینا اور بات ہے۔ اور فہم قرآن اور سوال یہ ہے کہ آیت میں سوال سے کیا مراد ہے، سوال برائے علم یا برائے احتساب، اگر آپ سوال برائے علم مراد لیتے ہیں، کہ جاننے کے لیے بھی نہیں پوچھ سکتے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا جواز پیدا کرو جو انہوں نے قرآن کے الفاظ میں اپنے رب سے کیا تھا:

﴿رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾ [البقرة: ۲۶۰]

یا حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بات:

﴿رَبِّ إِنِّي أُنَبِّئُكَ أَنَّ هَارُونَ أَخِي﴾ [هود: ۶۱]

(خدا یا میرا لڑکا تو میرے اہل سے تھا)

اور تو نے کہا کہ تیری اہل نجات یاب ہوگی۔ اور اگر سوال سے سوال احتساب و اعتراض مراد ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ خدا کے افعال کا احتساب نہیں، دوسروں کا ہوگا، لیکن حضور کی شان میں اس آیت کا پڑھنا اولاً تو دائرہ محبت سے خارج، ثانیاً آپ اپنی اوقات تو دیکھیے پھر بعد میں حضور کے اعمال و احوال کا حساب کیجیے گا۔ قبلہ! شرک و بدعت کی مشین چلانا اور ہے، اور قرآن فہمی اور۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی محاسب نہیں، کہ اس کے افعال پر اعتراض کر سکے، اور خدا سب سے حساب لے گا۔ اس آیت کو اس بحث سے کیا علاقہ! کیا آپ اس آیت کی ناجائز آڑ لے کر حضور ﷺ کے محاسب بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں، کیوں نہ ہو آپ بھی تو انہیں میں سے ہیں جن کے لیے کہا گیا ہے:

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اصولی مسئلہ کی وضاحت:

سوچنا چاہیے کہ بقول ”فاضل رحمانی“ واقعہ ایک شہادت حمزہ، اور اس قسم کے دیگر تمام واقعات مشیت ایزدی تو یہی تھی کہ مثلاً حضور ﷺ اتنی دیر دکھ میں رہیں، حضرت حمزہ شہید ہوں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ عقل کے اندھے چاہتے ہیں کہ حضور خدا کی مشیت کی مخالفت کریں۔ اگر عالم تھے تو بتا دینا چاہیے تھا، یہ یاد رکھو کہ خدا نے حضور ﷺ کو اس لیے عالم نہیں بنایا کہ وہ رموز الہی جان کر اس کی مرضی کے خلاف کریں، نہ کسی وارفتہ دنیا کو حضور سے اس قسم کی توقع رکھنا چاہیے۔

اس لیے ان تمام واقعات و حوادث میں جہاں تمہاری عقل مقتضائے علم پر عمل نہ کرنے کی کوئی صحیح توجیہ نہ ڈھونڈ پائے تو یہ سمجھ لو کہ خدا کی مرضی یہی تھی، اور جس طرح خدا عالم ہونے کے باوجود اپنی مرضی کے خلاف نہیں کرتا، حضور سے بھی علم کے باوجود امید نہ رکھو، کہ وہ خدا کی مشیت کے خلاف لب بھی ہلائیں گے، جیسے ایک داروغہ بالائی حکم کی وجہ سے مجبور ہے کہ اپنے بھائی کو اس کی گرفتاری کے وارنٹ کی خبر نہ دے، بلکہ خود ہی اسے گرفتار بھی کرے، حالاں کہ اس کو اس کی خبر پہلے سے ہے، اور بھائی ہونے کی حیثیت سے دل میں بیگانے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔

خاتمہ:

رسالہ میں ہر ممکن اختصار کو مد نظر رکھ کر اصول مسئلہ ”حاضر و ناظر“ پر قرار واقعی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا خلاصہ ایک نظر میں یہ ہے کہ حضور کا بیک وقت کئی جگہوں، یا سارے عالم کی خبر رکھنا کسی طرح شرعاً ناممکن نہیں، نہ شرک لازم آتا ہے، کیوں کہ ایسا ہی (عطائی) حضور اور قدرت، اگر خدا کے لیے مان لیا جائے تو خدا نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ میں ”خیر الانبیاء“ کے دعاوی مجموعی حیثیت سے حق و درست ہیں اور مولوی عبدالرؤف یا ان کے ابنائے جنس اس سلسلہ میں جو جو حماقتیں کرتے اور مجنونانہ بڑھ پانکتے ہیں، ان کا دماغ بفضل ایزدی ہر وقت درست کیا جاسکتا ہے، اور وقت کے سب سے بڑے خطبی الحواس اپنی اکلوتی من بھاتی دلیل، اور بے معنی اڑن کھائیوں کی عبرت ناک خستگی کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں کہنے

اے روبہک چرآنہ شستی بجائے خویش
باشیر پنچہ کردی و دیدی سزائے خویش

اقوال کی بحث:

مولوی رئیس احمد صاحب نے اپنی کتاب ابطال کی ابتدا ہی موضوع سخن کے عنوان سے کی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول:

((فمن حدثك أنه يعلم ما في غد فقد كذب))

(الجامع للبخاری: تفسیر سورۃ النجم ۲/۷۲۰)

جو تم سے یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی خبر رکھتے تھے وہ جھوٹ بولا۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

((من ادعی أنه يعلم من هذه الأشياء فقد كفر بالقرآن العظيم؛ لأنه

مخالفة))

جو یہ دعویٰ کرے کہ اشیائے خمسہ میں سے کچھ جانتا ہے اس نے کفر کیا کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی۔

لکھ کر تحریر فرمایا:

”ان دونوں کے بیان سے کسی بھی صحابی بلکہ صحیح العقیدہ مسلمان کو اختلاف نہیں۔“

پھر صفحہ ۲۳-۲۴ پر ملا علی قاری رحمۃ الباری علیہ کی عبارت:

”ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه السلام يعلم

الغيب.“

احناف نے اس آدمی کے کافر کہنے کی تصریح کی ہے جو نبی کے لیے غیب کا اعتقاد

رکھے۔

لکھ کر بھی یہی بات دہرائی کہ:

ملا علی قاری کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ تمام حنفی علما کا یہی مسلک ہے۔

اگر فاضل رحمانی نے یہی لکھا ہوتا تو ہم ان سے عرض کرتے ”صاحب! یہ اگلا ہوا لقمہ

پھر چبار ہے ہیں۔ لیکن ان بالک صاحب سے ہم کیا عرض کریں، کہ عزیزم! آپ نے یہ بسم اللہ

ہی غلط کر دی۔ آپ کے بزرگ محترم خود فرما گئے ہیں: ”ہم پر نہ آپ کا قول حجت ہے نہ آپ کے

بڑوں کا۔ دلیل قرآن و حدیث سے چاہیے۔“

اور آپ نے چھوٹے ہی دو صحابی کے قول کو موضوع سخن بنایا۔ کیا یہ اقوال قرآن

و حدیث ہیں؟ نہیں۔ پس جو چیز آپ کے نزدیک بے بھروسہ ہے۔ اس پر دوسروں کو بھروسہ

دلانے کا آپ کو کیا حق ہے، اسی پر آپ کو اگر کوئی دھوکہ باز کہے تو آپ کو سننے لگتے ہیں، آخر آپ

دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونکتے ہی کیوں ہیں؟

ثانیاً:۔ ام المؤمنین اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا صرف ان کا اجتہاد اور قیاس

ہے۔ قرآن و حدیث نہیں (اور قیاس کے تو آپ غیر مقلد حضرات سخت خلاف ہیں) چنانچہ

حاشیہ سند میں ہے:

”قوله: فقد كذب، قالته رضی اللہ عنہا اجتہاداً.“

(بخاری جلد ۴ ص ۱۶۷)

ام المؤمنین نے یہ بات اپنے قیاس سے کہی ہے۔

اور تمام مسلمان تو کیا خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس سے اختلاف

ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”ان رسول اللہ ﷺ کان یرینا مصارع اهل بدر بالأمس الحديث.“

(مشکوٰۃ شریف ص: ۵۴۲)

حضور ﷺ نے کل ہونے والی بات کے بارے میں ایک دن پہلے ہم کو دکھا دیا تھا کہ یہاں اہل بدر قتل کر کے ڈال دیے جائیں گے۔ حضرت عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ سرکار کی خدمت مبارکہ میں انہیں کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں:

”ما رأیت وما سمعت بمثلہ فی الناس کلہم کمثل محمد أوفیٰ وأعطیٰ للجزیل إذا اجتدی، ومتی تشاء ینخبرک عما فی غد.“

(سیرت ابن ہشام، ص: ۲۰۔ الاصابہ ۴، ص: ۳۵۲)

میں نے رسول اللہ ﷺ جیسا آدمی سارے جہان میں نہ تو دیکھا نہ سنا، جب ان سے مانگا جائے تو بہت بڑا عطیہ بخش دیں، اور تم جب چاہو تم کو آنے والے کل کی خبر دے دیں گے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت ﷺ کی بزم مبارک میں عرض کرتے ہیں:

”نبی یری ما لا یری الناس حولہ، ویتلو کتاب اللہ فی کل مشہد، فإن قال: فی یوم مقالة غائب، فتصدیقہا فی ضحوة الیوم أو غد.“

[زرقانی ۴، ص: ۲۲۹]

وہی نبی اپنے آس پاس وہ دیکھتے ہیں جو لوگوں کو نظر نہیں آتا اور اللہ کی کتاب ہر مقام پر تلاوت کرتے ہیں۔ آج اگر کسی پوشیدہ بات کی خبر دیں تو دو پہر ہوتے ہوتے یا کل آئندہ تک اس کی تصدیق آجاتی ہے۔

حضرت فد بن خثاقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”فأخبر فی بالغیب عما رأیتہ، وأسررتہ من معشر فی مکالم.“

[الاصابہ ۳، ص: ۲۰۰]

حضور نے اس غیب کی خبر دے دی جس کو میں نے دیکھا تھا اور پوشیدہ طور پر میں نے قوم سے اس کی سرگوشی کی تھی۔

بلکہ خود حضور ﷺ نے بھی اس سے اختلاف فرمایا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے

حضرت سلمہ اور حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی:

”لَاعْطَيْنَ هَذَا الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدِهِ، يَحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ.“

[بخاری ۲، ص: ۶۰۵]

میں جھنڈا کل ایسے آدمی کے ہاتھ میں دوں گا کہ اللہ اس کے ہاتھ پر خیر فتح کرے گا۔ اور وہ اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے۔

اور اگر آپ کی آنکھ حیرت سے پھٹی نہ رہ جائے تو سہی! کان کھول کر سنیے کہ اس قول کے خلاف خود ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں: کہ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرض وصال میں مجھے مخاطب کر کے اپنے وارثوں کی فہرست بتائی:

”انما أخوك وأختاك فافتسموه على كتاب الله عز وجل قالت: يا أبت إنما هي أسماء فمن الأخرى قال: ذو بطن بنت خارجه أريها جارية فولدت جارية.“

[موطا امام محمد، ص: ۲۶۷]

میرے وارثوں میں ایک تمہارا بھائی اور دو تمہاری بہنیں ہیں۔ ام المؤمنین نے کہا با واجان ایک بہن تو میری سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ اسماء ہیں۔ یہ دوسری کون ہے۔ آپ نے فرمایا: کہ میری بیوی بنت خارجه کے شکم میں جو حمل ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لڑکی ہے، سولڑکی پیدا ہوئی۔

کہیے ام المؤمنین نے اپنے والد کے بارے میں کل آئندہ کی خبر دینے کا دعویٰ کیا یا نہیں؟۔

اور حضرت ابن عباس سے آیت:

﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

[الکھف: س ۱۸، آیت ۷۵]

تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے کی تفسیر میں روایت ہے:

((قال ابن عباس: حدثني أبي ابن كعب أن رسول الله صلى الله تعالى

عليه وسلم قال: وكان رجلا يعلم علم الغيب))

(التفسير لابن جرير: الجزء الخامس عشر۔ ۲۷۹/۹)

حضرت ابن عباس ابی ابن کعب کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت خضر ایک ایسے آدمی تھے جو غیب جانتے تھے۔

کہیے! حضرت ابن عباس نے خضر کے لیے دعویٰ علم غیب کر کے خود اپنے اوپر کفر کا فتویٰ دیا یا نہیں؟۔

نہیں! تحریر صاحب! دیکھا آپ نے اپنے ”موضوع سخن“ کا حشر جس امر کے لیے آپ کا دعویٰ تھا آج کے سارے صحیح العقیدہ مسلمان سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک تک سارے صحابہ اس سے متفق تھے، کسی کو اختلاف نہیں۔ مگر اس دعویٰ کی کچلی اتاری گئی تو معلوم ہوا کہ آج کی بات تو دور رہی خود عہد صحابہ میں ہی اصحاب نبی ﷺ کو اس سے شدید اختلاف تھا، اور اختلاف کرنے والے بھی معمولی حیثیت کے لوگ نہیں تھے۔ امام برحق خلیفہ راشد حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کل کی خبر آج دینے کا دعویٰ کیا۔ حضور ﷺ کی محفل مبارکہ میں حضرت حسان، حضرت عوف ابن مالک، حضرت فدرد ابن خنافہ رضی اللہ عنہم نے بباغ دہل آپ کی غیب دانی کا اعلان کیا۔ اور حضور سید عالم ﷺ نے خاموش رہ کر اس کی تائید فرمائی بلکہ خود حضور سید عالم ﷺ نے خاص لفظ غد کے ساتھ ہی آپ کے موضوع سخن سے اختلاف کیا۔ اور تو اور آپ جن حضرات کے قول کی سند لائے تھے انہیں حضرات نے اس کی مخالفت کر کے آپ کے موضوع سخن کو سخن موضوع بنادیا۔ اور اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ آپ کے رشحات قلم بچکانہ شوخیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

رسالہ ”الشاہد“ کی تحقیق ماخذ کے رجوع کے لیے اصل کتابوں کی تلاش اور تحقیق حق کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا پڑا۔“

معلوم ہوتا ہے کہ مادر تعلیم میں آپ نے کتابوں سے ہی رجوع کیا۔ اساتذہ سے رجوع کی نوبت نہیں آئی۔ ورنہ وہ بزرگوں کے اقوال سمجھنے کا طریقہ آپ کو ضرور بتاتے۔

خیر ہم ہی آپ کو بتاتے ہیں: امام عینی اپنی شرح میں ام المؤمنین کے قول کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال الداؤدي: ما أظنه محفوظاً، وإنما المحفوظ من حدثك أن محمداً كنتم شيئاً مما أنزل الله إليه فقد كذب، أما علم الغيب فما أحد يدعي

أن رسول الله ﷺ كان يعلم الغيب إلا ما أعلم۔“ [یعنی شرح بخاری ص: ۷۸] داؤدی نے فرمایا کہ ام المؤمنین سے انہ یعلم ما فی غد والا قول محفوظ طریقوں سے مروی نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ ”جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر اتاری ہوئی باتوں میں سے کچھ چھپا لیا ہے وہ جھوٹا ہے“ باقی علم غیب تو اس کے بارے میں سب یہی کہتے ہیں کہ آپ نے وہی جانا جس کو خدا نے بتایا۔ اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) داؤدی کے خیال میں ((من حدثك أنه يعلم ما في غد الخ)) والا کلمہ اس روایت میں زائد ہے۔

(۲) جو اللہ کی تعلیم کے بغیر رسول اللہ کے لیے علم غیب کا دعویٰ کرے وہ غلط کہتا ہے۔ لیکن جو اللہ کی تعلیم کے واسطے سے آپ کے لیے دعویٰ علم غیب کرے وہ نہ کفر ہے نہ جھوٹ ہے، بلکہ واقعہ اور ایمان ہے۔

(۳) ام المؤمنین کے قول سے اگر تکذیب ہو سکتی ہے تو فریق اول کی، فریق ثانی کی نہیں۔ اب امام قسطلانی کا بیان سنئے:

”وقول الداؤدی متعقب بأن من لم يرسخ في الايمان، كان يظن ذلك حتى كان يرى أنه صحة النبوة تستلزم اطلاع النبي على جميع المغيبات، وعلم أنه ﷺ لا يعلم إلا ما علمه الله۔“ (ملخصاً)

داؤدی کے اس قول (کہ کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو دعویٰ کرے کہ بے تعلیم الہی رسول اللہ غیب جانتے تھے۔) پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ کچھ ایسے لوگ جن کے دل میں ایمان کی جگہ نہیں بن سکا تھا۔ یہ خیال کرتے تھے کہ نبوت کی صحت کے لیے تمام غیوب کا جاننا لازم ہے تو حضور ﷺ نے بتا دیا کہ میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا اللہ نے بتایا۔

دیکھیے امام قسطلانی امام داؤدی کے کلام میں ذکر کی ہوئی پہلی بات کی تردید کرتے ہیں۔ کہ اس ٹکڑے کے عدم محفوظ ہونے کی بات صحیح نہیں۔ اور ام المؤمنین کے قول کو ان غیر راسخ العقیدہ لوگوں کے خیال کی تکذیب قرار دیتے ہیں جو جمیع مغیبات پر اطلاع کو لازماً نبوت قرار دیتے تھے۔ اور تعلیم کے بعد غیب پر مطلع ہونے کو خود رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ اور قول قرار دیتے ہیں۔ تو ام المؤمنین کا قول اس خیال کی تردید کیسے ہو سکتا ہے۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے واقعی معنی معلوم ہو جانے کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول خود واضح ہو جاتا ہے۔ (بشرطے کہ یہ انہیں کا قول ہو، کیوں کہ خازن نے اس کو بے سند ہی نقل کیا ہے) کیوں کہ ان کو کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ ایک دفعہ دعویٰ علم غیب کو کفر قرار دیتے اور دوسری دفعہ اسی کو حضرت خضر علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بے تعلیم الہی دعویٰ علم غیب کو کفر کہتے ہیں، اور تعلیم کے بعد ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس اس کے مرتکب ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ام المؤمنین اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکذیب اور تردید کا رخ ان لوگوں کی طرف تھا جو بے تعلیم الہی یا علم غیب کلی کے مدعی ہوں، ان لوگوں کی طرف نہیں جو تعلیم الہی کے بعد یا بعض علم غیب کے مدعی ہوں (الحمد للہ کہ ہم اہل سنت تو علم غیب کلی کے مدعی ہیں نہ علم ذاتی کے) اس لیے یہ آپ کی شوخی ہی تھی کہ آپ نے اس گولی کا رخ ہماری طرف پھیر دیا جو دوسروں کی طرف جا رہی تھی۔

اور فقہ اکبر کی شرح ملا علی قاری کی عبارت جس کا آپ نے اپنی کتاب میں وظیفہ پڑھا ہے، اور حنفیوں کو بڑی غیرت دلائی ہے۔ کہ گویا ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے دعویٰ علم غیب کر کے احتاف کے اجماع کی دھجیاں اڑادی ہیں۔ اس سلسلہ میں تو آپ نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس کے بارے میں تصنیفی بددیانتی، یا اسلامی دیانت کی خلاف ورزی کا لفظ بہت ہلکا ہے۔ یہ تو صاف صاف گرہ کٹی ہے، اور شاید یہ عمر کا تقاضا ہے۔ ورنہ یہ کیا معاملہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا عتیق الرحمن صاحب اپنی تحریر ”خیر الانبیاء“ میں ”تردید حاضر و ناظر“ کی اس خیانت برمانہ پر تنبیہ کر چکے اور پوری عبارت نقل فرما کر مطلب واضح کر چکے، پھر دوبارہ آپ نے وہی حرکت کی۔ شرح فقہ اکبر کا صفحہ ۲۵ آپ کو نظر آیا۔ اور اسی عبارت سے متصل اس سے پہلے کی عبارت بھول گئے:

”ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه السلام يعلم الغيب.“

جان لو کہ انبیاء علیہم السلام اشیاء غائبہ میں سے وہی جانتے ہیں جس کی اللہ نے انہیں تعلیم دی ہو، اور حنفیہ نے نبی علیہ السلام کے لیے علم غیب کے اعتقاد کی تکفیر کی ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ جب بہ تعلیم الہی انبیا کے لیے ملا علی قاری خود ہی علم غیب ثابت کر رہے ہیں تو کیا اسی کی تکفیر نقل کریں گے؟ تکفیر تو بے تعلیم الہی، بطور خود ہی دعویٰ علم غیب پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔

تردیدی اقوال کا حال

غیر مقلد حضرات سے کئی ایک بحث و مباحثہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ بحث میں کسی اصول یا ضابطہ علمی کے قائل نہیں ہیں۔ موقع پرستی ہی اصل اصول ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

غیر مقلدین کے اس الزام کی تردید میں کہ ”مسئلہ حاضر و ناظر“ صرف بریلوی علما کی پیداوار ہے۔ اپنی کتاب ”خیر الانبیاء“ میں مولانا عتیق الرحمن صاحب نے امام غزالی، ملا علی قاری، صاحب نسیم الریاض، شیخ محقق، وغیرہم متقدمین علمائے اسلام کے اقوال تائید میں پیش کیے تھے۔

انصاف و اصول پرستی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان غیر بریلوی علما کی تصریحات کے بعد مولوی عبدالرؤف صاحب وغیرہ غیر مقلد حضرات اپنے اس الزام سے دست کش ہو جاتے کہ یہ خیال صرف بریلویوں کا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور مولوی عبدالرؤف صاحب نے ان اقوال کو دلیل قرار دے کر رد کر دیا اور تحریر کیا کہ:

”ہم پر کسی بھی عالم کا قول حجت نہیں، ہم پر تو سند قرآن و حدیث سے قائم کرنی چاہیے۔“

اور فوراً ہی اس کے جواب میں سات اقوال ایسے پیش کیے جن میں علم غیب، حاضر و ناظر کے قول کو کفر قرار دیا گیا تھا۔

اولاً: جب آپ اقوال کی سند قبول ہی نہیں کرتے، تو ان اقوال کا انکار کر کے ہی خاموش ہو جانا چاہیے۔ مزید انکار اقوال پیش کر کے ناحق بات بڑھانے کی ضرورت نہ تھی۔

ثانیاً: اتنی بات سے یہ امر تو ثابت ہو گیا کہ غیر مقلد حضرات کا یہ الزام جھوٹ ہے، کہ حاضر و ناظر کا مسئلہ صرف بریلویوں کا پیدا کردہ ہے۔ کیوں کہ آپ ان ائمہ اسلام کے اقوال کے وجود سے انکار نہ کر سکے، صرف ان کو ماننے سے انکار کیا ہے، آپ کے نہ ماننے سے ان کے وجود

پر بالکل اثر نہیں پڑتا، الثانیہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اقوال پایہ ثبوت کو پہونچے تب ہی تو آپ کو ماننے سے انکار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہاں آپ کے انکاری اقوال سے اگر زیادہ سے زیادہ ثابت ہو سکتا ہے تو یہی کہ اس مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے، کچھ حضرات اس کی تائید میں ہیں اور کچھ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

ہم نے اپنی تحریر میں اسی خیال کے پیش نظر اقوال کی بحث میں کوئی اضافہ نہیں کیا، کہ جب فریق مخالف اسے تسلیم ہی نہیں کرتا تو اس بحث کو پھیلانا بے سود ہے۔ صرف اتنا لکھا کہ ان اقوال کو سند مت سمجھیے، یہ تو اس الزام کی تردید تھی کہ مسئلہ ”حاضر و ناظر“ بریلوی حضرات کی ایجاد ہے۔

فاضل رحمانی کے پیش کردہ تردیدی اقوال پر البتہ ہم نے تین طرح کلام کیا تھا:
(۱) آپ نے کچھ عبارتوں کے حوالے نہیں تحریر کیے ہیں، اس لیے ان سے ہم پر الزام نہیں قائم ہو سکتا، کہ خود ان اقوال کا ثبوت ہی معرض بحث میں ہے۔

(۲) اگر ان سب بے حوالہ عبارتوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ان کا اور بقیہ عبارتوں کا جواب یہ ہے کہ کفر کا فتویٰ علم غیب ذاتی ماننے والوں پر ہے، عطائی تسلیم کرنے والوں پر نہیں۔
(۳) اگر کسی کتاب میں عطائی والوں پر کفر کی تصریح ہے تو یہ غلط ہے، مفتی بہ اور صحیح یہی ہے کہ ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ کیوں کہ حضور غیب جانتے تھے۔

ہم نے فاضل رحمانی کے پیش کردہ اقوال پر جو کلام کیا اس کو پایہ ثبوت تک بھی پہونچایا، چنانچہ شق ثانی کے ثبوت میں جامع القصو لیں اور تیسری شق کے ثبوت میں خزانۃ الروایہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کی تھیں۔

لیکن نئے مصنف صاحب نے اس مقام پر بے حد چمک کر ارشاد فرمایا:
”یہ تو کوئی جواب نہ ہوا، اگر کچھ دم ہوتا تو یہ ثابت کیا جاتا کہ یہ حوالے مولانا جھنڈے نگری نے غلط دیے ہیں۔“

اس کتاب میں قدم قدم پر ہم کو یہ احساس ہو رہا ہے، کہ صاحبزادے نے لکھنؤ میں اپنے اساتذہ سے بالکل رجوع نہیں کیا، ورنہ یہ جملہ ان کے قلم سے ہرگز نہ نکلتا۔ کیوں کہ اصول مناظرہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ ہر مقابل کو یہ حق حاصل ہے، کہ حوالہ پیش کرنے والے سے تصحیح

نقل کرے۔ اور مدعی نقل مطابق اصل ثابت نہ کر سکے تو حوالہ پیش کردہ قابل سند نہیں۔ حوالوں کا صحیح صحیح پتہ نشان بتانا ہماری ذمہ داری نہیں، مولوی جھنڈے نگری، اور ان کے ہوا خواہوں کے دم خم کی بات ہے۔ اور معلوم ہوا کہ واقعہ ان لوگوں کا کس بل نکل چکا ہے، کیوں کہ لاکھ غیرت دلانے پر بھی اپنے تازہ شاہ کار میں بھی ان عبارتوں کا حوالہ نہ پیش کر سکے۔

پھر آپ لاکھ تمللائیں اور ہزار ترپیں ایسی عبارتوں پر کلام کرنے کے لیے جن کا ثبوت فراہم نہ ہو سوائے فرض کرنے کے اور کون سی صورت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ہم نے یہ لکھا کہ: ”ان سب عبارتوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کو مضرب نہیں۔“

رہ گئی ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح فقہ اکبر کی عبارت تو اس میں آپ کی مورد وثی خیانت کا حال کھل جانے کے بعد ظاہر ہو چکا ہے کہ اس میں حکم کفر ذاتی علم غیب ماننے ہی کی بنیاد پر ہے۔ اور ہماری اس تحقیق کو متاخرین کی تاویل کہہ کر گزر جانا۔ اور اس پر کلام کرنے سے آنکھ چرا نادامن بچانا، آپ کی چاک دامنی کی دلیل ہے، کیوں کہ مولوی عبدالحی لکھنؤی متوفی ۱۳۴۱ھ تو شاید آپ کے نزدیک متقدمین میں سے ہیں، جن کے فتاویٰ کے صفحہ اور سطر کا آپ نے حوالہ دیا ہے (اور تلاش بسیار کے بعد شاید یہی ایک حوالہ آپ کو مل سکا ہے) اور صاحب جامع الفصولین شیخ بدر الدین محمود ابن اسرائیل متوفی ۸۱۸ھ متاخرین میں سے ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا تھا۔ یہ پانچ صدیوں کی الٹی گنگا بہانا غیر مقلد محققین کی ہی شان ہے، اور پھر یہ تو اصول فتویٰ نویسی کی بات تھی، اس میں مقدم و مؤخر کا کیا ذکر، قائل کے قول کی تفصیل جانے بغیر کفر کا حکم دینا بلاشبہ جاہل مفتیوں کا کام ہے۔

اس گل دیگر شگفت:

ہم نے اقوال کی بحث میں اپنے کلام کی تیسری شق میں لکھا تھا۔ علم غیب عطائی ماننے والوں کو کافر کہنا غلط ہے۔ فتویٰ یہ ہے:

”الصحيح أنه لا يكفر؛ لأن الأنبياء عليهم السلام يعلمون الغيب،

[خزانة الرواية]

ويعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفراً“

صحیح یہ ہے کہ انبیاء کے لیے غیب کا قول کرنے والا کافر نہیں ہے، کیوں کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ تو کفر کیسے ہوگا؟۔

اس پہلو کو ذکر کر کے رئیس آزاد صاحب نے نہایت آزادانہ بلکہ بے حد چکانہ حرکت کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

”ان عبارتوں (یعنی نبی کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب کہنے سے آدمی کا کفر نہ ہوگا) کا اگر یہی مطلب ہے کہ نبی کا حاضر و ناظر سمجھنا فضیلت میں داخل ہے، تو اس اصول بریلوی کے موافق فقہ حنفیہ کی حسب ذیل تشریح ملاحظہ ہو:

”إن الرضا بقتل الحسين ليس بكفر“

امام حسین کے قتل پر راضی ہونا کفر نہیں۔

تو کیا قتل حسین پر رضا فضیلت کا کام ہے:

”في استقلال الوطى بامراته الحائض. وفي استحلال اللواطه بامراته

لا يكفر (ملخصاً)

عورت سے حالت حیض میں صحبت کرنا۔ اور اپنی بیوی سے لواطت کرنا کفر نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک لمبی عبارت لکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جس طرح قتل حسین پر رضا کفر نہیں بیوی سے لواطت یا حالت حیض میں ہم بستری کفر

نہیں۔ لیکن ان کے کفر نہ ہونے سے ان امور کا حلال یا پسندیدہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ امور گناہ کبیرہ اور معصیت عظیمہ ہیں۔ اسی طرح حاضر و ناظر ماننا کفر نہ ہونے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ یہ کار فضیلت ہے، بلکہ امور مذکورہ بالا کی طرح حرام اور گناہ ہی رہے گا۔

ہم کو یہ پورا بیان پڑھ کر ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا، کیوں کہ آزاد صاحب کے اس بیان کی روشنی میں ہر شخص یہی خیال کرے گا کہ شاید ہم نے کہیں یہ لکھا ہو، یا ہماری کسی عبارت کا یہ منشا ہو، کہ ”حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں لہذا فضیلت ہے“۔ حالاں کہ واقعہ بالکل اس کے خلاف ہے۔ ہماری کتاب کے دو مختلف مقامات کو اپنے ذہن میں ترتیب دے کر آزاد صاحب نے یہ مضمون پیدا کیا ہے۔

اور بقول کسے ”کہیں کی اینٹ کہیں کاروڑا، بھان متی نے کنبہ جواڑا“ والا معاملہ ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ گذشتہ صفحات میں پیش نظر ہے۔ اور جس کوشبہ ہو فریقین کی کتابوں

سے تصدیق کر سکتا ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر کا باب فضائل سے ہونا ہمارا یہ ایک الگ دعویٰ ہے اور اس کے دلائل علاحدہ ہیں۔ اور اقوال علما کی بحث ایک علاحدہ بحث ہے۔ جو اس طرح چلتی ہے کہ آپ نے چند اقوال پیش کیے جن میں حاضر و ناظر یا عالم غیب کا قول کرنے والے کو کافر کہا گیا، ہم نے اس کا دفاع کرتے ہوئے علمائے احناف کا یہ فتویٰ پیش کیا کہ اس کو کفر کہنا غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کفر نہیں۔ اتنی سی بات میں یہ پیوند لگانا کہ لہذا یہ فضیلت ہے۔ یہ صرف آپ کے نہاں خانہ کی پیداوار ہے، ہم نے کب اس قول کو دعویٰ فضیلت کے ثبوت میں پیش کیا۔ اور کہاں لکھا ہے کہ کفر نہ ہو تو فضیلت کا ہونا ضروری ہے۔ کہ آپ نے یہ شگوفہ چھوڑا اور صفحے کے صفحے سیاہ کیے۔ صاحبزادے جواب دعویٰ کو دعویٰ کی دلیل سمجھنا یہ آپ کے چھوٹے موٹے دماغ کی پیداوار ہے۔

ہنوز طفلی و ازاناء نوش بے خبری ز علم خویش چہ از جہل خویش بے خبری
پھر آپ نے اپنی الٹی سمجھ کے مطابق جو کچھ کہا وہ بھی آپ کی جہالت کا آئینہ دار ہے۔ کیوں کہ قتل حسین پر راضی ہونا، وطی حائض، اور لواطت زوجہ کا معصیت ہونا ایک طے شدہ معصیت ہے۔ اس لیے یہ کفر نہ ہو تب بھی معصیت ہی رہے گا۔ لیکن حاضر و ناظر ماننا کہاں ایک طے شدہ معصیت ہے، اس کے لیے تو اسی عبارت میں صاف صاف تحریر ہے:

((إن الأنبياء يعلمون الغيب))

انبیائے کرام غیب جانتے ہیں۔

پس اگر برسمیل تنزل ہم آپ کی یہ اناج تسلیم بھی کر لیں کہ ہم نے یہ عبارت فضیلت ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہے تب بھی قتل حسین، وطی حائض اور لواطت زوجہ والی عبارتوں سے ہم پر الزام قائم کرنا آپ کی جہالت ہی ہوگی۔ کیوں کہ ہماری پیش کردہ عبارت میں کفر کی نفی کے بعد صاف صاف علم غیب کا ثبوت ہے۔ لأن الأنبياء يعلمون الغيب۔ جب کہ آپ کی پیش کردہ عبارتوں میں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں، اس لیے وہاں کفر کی نفی سے معصیت کی نفی نہ ہوگی۔ اور یہاں معصیت کی نفی بھی نفی کفر کے بعد موجود ہے، اس لیے دونوں کی نفی ہوگی اور فضیلت ثابت ہوگی۔

پھر سن لیجیے اولاً: تو خزائن الروایۃ کی عبارت سے حاضر و ناظر ماننے کی فضیلت پر ہمارا